ڈاکٹر محمد زیارف

محکمہ تعلیم (سکولز)، حکومت پنجاب، راولپنڈی

علی اکبر عباس کی رچنا کے موضوعات اور اسلوب کا تنقیدی و تجزیاتی مطالعہ

A Thematic and Stylistic Study of Ali Akbar Abbas's Poetic Work *RACHNA*

ABSTRACT:

Ali Akbar Abbas is a renowned Urdu poet since 1960s. He has written eight literary books including Ghazals, Nazms, Geets and Manzoom Tarajim.He translated KAFIES" of HAZRAT BA BA BHULLA SHAH in Urdu verse and ZABOR-I-AJAM of IQBAL in Punjabi verse.

He is the most famous for his literary book" RACHNA ". In this book, he revealed the true story of dying Punjabi culture of RACHNA DO-AAB in the form of Ghazals. Now the village life has changed due to the uses of technology ,i.e mobile phone and internet. In these circumstances RACHNA is a complete history of the past Punjabi villages and rural cultural life. After reading this book the reader understand that dying ritual and cultural history of the Rachna Do-Aab of Punjab.

In this essay, I intend to study to analyze the theme, ideas and the features of the stylistic art of RACHNA.

Key Words:

Ali Akbar Abbas, Urdu Ghazal, Rachna, do-aab, Punjabi culture, stylistic art.

علی اکبر عباس دورِ حاضر کے ایک منفرد اور نمائندہ شاعر ہیں۔ان کی شعری پہچان غزل ہے لیکن انہوں نے نظمیں اور گیت بھی لکھے ہیں۔ہائیکو میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔اس کے ساتھ ساتھ ان کے اردو و پنجابی

منظوم تراجم بھی قارئین میں قبولیت کی سند حاصل کر چکے ہیں۔ان کا پہلا شعری مجموعہ بر آبِ نیل ۱۹۷۸ء میں منظر عام پر آیا۔اب تک ان کی متعدد تخلیقات کے آٹھ مجموعے زیور طباعت سے آراستہ ہو چکے ہیں۔

۶۰ کی دہائی میں جب علی اکبر عباس نے شاعری کا آغاز کیا اس وقت غزل گو شعرا نے غزل میں نئے نئے تجربات شروع کر رکھے تھے گویا ایک اینٹی غزل کی تحریک جاری تھی۔ان شعرا میں ظفر اقبال سر فہرست تھے جو غزل کی لفظیات کی تبدیلی کے ساتھ غزل میں جدت لانے کی کوشش کر رہے تھے۔ان کے اس تجربے کو بہتر انداز میں آگے بڑھاتے ہوئے علی اکبر عباس نے بھی روایت سے ہٹ کر شعر کہنے کا ارادہ کیا۔وہ اپنی غزل میں لفظیات کے ساتھ ساتھ نئے موضوعات کو بھی لے آئے۔علی اکبر عباس کو اردو کے شعری ادب میں جو تخلیق سب سے نمایاں کرتی ہے وہ ان کا شعری مجموعہ رچنا ہے۔اس منفرد شعری تخلیق نے انہیں صحیح معنوں میں اردو شاعری کے لوک رنگ کا سرخیل بنا دیا ہے۔

علی اکبر عباس کا یہ مجموعہ ۱۹۹۰ء میں پہلی بار منظر عام پر آیا۔اس کا دوسرا ایڈیشن ۲۰۰۸ء میں شائع ہوا۔ رچنا پاکستان کے شعری ادب میں ایک انفرادی اہمیت کا حامل مجموعہ ہے۔اپنی اشاعت سے لے کر اب تک اس کے پائے کی کوئی دوسری تخلیق اتنی رنگا رنگی، دیہاتی زندگی کی منظر کشی، موضوعاتی تنوع اور پنجابی آمیز اردو کے منفرد لہجے میں پیش نہیں کی جا سکی۔انہوں نے اس مجموعے میں دیہی ثقافت اور مقامی زبان کی جس طرح مکمل اور بھرپور ترجمانی کی، اس کے نتیجے میں اہلِ دانش اور نقادانِ سخن انہیں نظیر اکبر آبادی کا نیا جنم اور ان کی روایت میں ایک خوبصورت اضافہ قرار دینے لگے۔

علی اکبر عباس نے رچنا میں جو انداز اپنایا ہے اس کا اشارہ وہ اپنے پہلے مجموعہ بر آبِ نیل کی اختتامی چند غزلوں میں دے چکے تھے جہاں یہی روایت آمیز جدت ان کے پیش نظر تھی۔انہوں نے اپنے گہرے مشاہدے اور وسیع ادبی شعور کی بنا پر نئے نئے موضوعات کو غزل میں جگہ دی نیز غزل کے روایتی اور پامال موضوعات کو ترک کر دیا۔اب ان نئے موضوعات سے انصاف کا تقاضا یہی تھا کہ ان سے ہم آہنگ لفظیات کا انتخاب کیا جائے، اس بنا پر ان کے زیر استعمال شاعری کے روایتی لفظوں کی خاصی کمی ہے۔ان کے اسلوب سے متعلق باقی احمد پوری کہتے ہیں:

> "وہ ایک بہت ہی اہم شاعر ہے جس کا ڈکشن نہ صرف اپنے ہم عصر شعرا سے الگ ہے بلکہ اپنے سے پہلے گزرے ہوئے شاعروں سے بھی جدا ہے۔"(1)

اس سے پہلے لفظوں کی توڑ پھوڑ اور پنجابی لفظوں کے استعمال کی کچھ مثالیں موجود تھیں جن میں افتخار جالب، ظفر اقبال اور شیر افضل جعفری کا کام نمایاں تھا۔ یہ شعرا اپنے تجربات کی بنا پر ایک نئی شعری فضا کی تشکیل میں تو کامیاب رہے لیکن اشعار میں لفظی غرابت کے باعث قبولیت عام حاصل نہیں کر سکے، البتہ آنے والے شعراء کے لیے ٹھیٹ اردو میں مقامی زبانوں کے ادغام کی راہ ہموار کر گئے۔ ظفر اقبال کی غزلوں کے چند اشعار ملاحظہ کیجئے:

جن ریتاں پر دھوپ دھڑکتی کپڑے لاہ کر ناچے
پلے باندھ ٹرے سفراں کو چھلڑ سنگھنی چھاں کا
جھڑتی رت کا زہر نکیلا سانجھ سریر میں رڑکے
زرد ہوا سنسان خدا نت نقشہ شہر گراں کا(2)

وہ دن میں ہی اس کو چھوڑ نسا
کیا تھا وہ ہے اِک ہیولٰی ہوس سا(3)

شیر افضل جعفری نے خالص پنجابی الفاظ کے برتاؤ کا پہلا کامیاب تجربہ کیا۔ انہوں نے اپنے اردو اشعار میں پنجابی الفاظ کی پیوند کاری کی لیکن وہ پنجابی اردو کی مخلوط شعری فضا تخلیق کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے ان کے اشعار میں پنجابی الفاظ کی غرابت دور سے نظر آتی ہے جو روانی میں روک اور زبان پر ثقیل محسوس ہوتی ہے ان کی پنجابی آمیز شاعری کی جھلک ملاحظہ کیجئے:

ایک دلبرِ الٰہ کی شیریں "تریہہ" کا
غم نشہِ نماز کو دو چند کر گیا(4)
یار کی زلف کے اسیروں کی
راگ ورگی پکار ہوتی ہے
اولیاؤں کی جیونی بستی
غم کے کشمیر" آر" ہوتی ہے(5)

علی اکبر عباس نے انہی شعرا سے تحریک لیتے ہوئے اس لسانی تجربے کو بہتر اور کامیاب انداز میں پیش کیا یوں وہ روایتی شاعری سے ہٹ کر نئے لفظیات اور موضوعات غزل میں لے آئے اس حوالے سے وہ کہتے ہیں:

"جب ظفر اقبال غزل میں نئے نئے تجربات کر رہے تھے اس وقت میں ابھی ادب کا طالب علم تھا، لہذا جب ان کی شاعری پر لعن طعن ہونے لگی تو میں نے ان تجربات کو بہتر انداز میں آگے بڑھانے کا فیصلہ کیا۔"(6)

موجودہ دور میں پنجابی الفاظ کی شمولیت گو اپنی انفرادیت کھو چکی ہے اور اب تقریباہر چھوٹا بڑا شاعر کم یا زیادہ پنجابی الفاظ کا جڑاؤ اپنا حق سمجھنے لگا ہے، جس سے ایک نئی پاکستانی اردو وجود میں آرہی ہے، لیکن جس زمانے میں علی اکبر عباس نے اس شعری تجربے کو کامیابی سے پیش کیا تھا اس وقت یہ یقیناایک نادر اور امتیازی کارنامہ تھا۔ موجودہ دور میں پنجابی آمیز اردو کا استعمال کرنے والے شعرا میں صابر ظفر کا نام بہت نمایاں ہے۔ گزشتہ سالوں میں چھپنے والے ان کے مجموعوں سانول موڑ مہاراں اور زندان میں زندگی امر ہے میں اس کی مثالیں دیکھی جاسکتی ہیں:

خلاف ہے مرے سالے، یہ رنگ پور والے
مجھے پشان تیرا رانجھڑا ہوں جوگی ہوں (7)
دیکھ لے تاکہ ختم ہو گریہ
آنکھ میں جو اخیری اتھرو ہے (8)
خود ہی پروں کو نوچتا رہتا ہوں میں ظفر
زنداں میں کیا اڈاریاں، مقتل میں کیا خرام (9)

علی اکبر عباس کے اس منفرد اسلوب سے پہلے غزل کے کسی ایک آدھ شعر میں شاعر کسی دیہاتی پس منظر کی جھلک دکھاتا تھا لیکن اس طرح مکمل دیہی ثقافت کو غزل کے مخصوص قالب میں ڈھال کر ایک مجموعے کی صورت میں پیش کرنا علی اکبر عباس جیسے مہم جو اور مشکل پسند شاعر کا ہی کارنامہ ہو سکتا تھا، جس کے متعلق ابتدا ہی میں انجم رومانی جیسے بزرگ شاعر نے کہا تھا:

"غالب کے بعد علی اکبر عباس ایک اور مشکل شاعر ہمارے ادب کے افق پر نمودار ہو رہا ہے"۔(10)

انہوں نے رچنا میں جھنگ ہی کی دھرتی سے تعلق رکھنے والے اپنے پیش رو شیر افضل جعفری کی اپنی دھرتی جھنگ سے محبت اور ان کی پنجابی آمیز اردو کو اپناتے ہوئے اسے اپنی منزل تک پہنچایا ہے۔ شیر افضل جعفری اپنی اس جدت اظہار کے متعلق اپنے اشعار میں اس طرح گویا ہیں:

ایمان و وجدان سے لے کر البیلے جذبات
دی افضل نے طرزِ تغزل کو رنگینی جدت(11)

میں نے باغی خواہشیں سیراب گنے کی طرح
بندگی کے چپ چپاتے بیلنے میں بیلیاں(12)
اک دلبرِ الٰہ کی شیریں "تریہہ" کا

غم نشہِ نماز کو دو چند کر گیا(13)
بلھے" آر " دھالاں کھیلے

دھرتی پر اس کی ہلچل ہے(14)
وہ ترے آس پاس تیرے کول
تو فضا و خلا میں ڈانواں ڈول

اس میں ہوگی ضرور نورِ کرن
حق پتنگوں کی ساکھ راکھ پھرول(15)

وہ جھنگ کی سرزمین سے اپنی محبت کا والہانہ اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

دل کے آنگن میں دھڑکنوں کا ناچ
ہائے یہ جھنگ رنگ رانجھا ناچ(16)

شیر افضل جعفری کے آنگنِ دل میں جو "جھنگ رنگ رانجھا" دھڑکن بن کر ناچ رہا تھا علی اکبر عباس نے نہ صرف اسے بلکہ رچنا دوآب کی پوری دھرتی کو اپنے دل کی دھڑکن بنا لیا، اسے ایک مصور کی طرح لفظی تصویروں کا روپ دے کر صفحہِ قرطاس پر نقش کر کے اسے "رچنا" کی صورت میں پیش کر دیا۔

رچنا نے اردو ادب کی دو قد آور شخصیات اشفاق احمد اور ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا کی نظر میں جو مقام پایا اس سے اس کی اہمیت کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اس حوالے سے اشفاق احمد لکھتے ہیں:

> اگر مجھ میں جرأت ہوتی اور سکہ بند ناقدوں کے طعن کا خوف نہ ہوتا تو برملا کہتا کہ نظیر اکبر آبادی ایک مرتبہ پھر علی اکبر عباس کا روپ دھار کر پنجاب کی بستی سے اسی طرح گزرا ہے جیسے وہ آگرے، سکندرے کے کوچہ و بازار سے اپنی گھوڑی پر سوار ہو کر گزرا کرتا تھا۔ جو کچھ دیکھتا تھا اسے نظم کرتا تھا اور جو کچھ سنتا تھا اسے بول ٹھٹول میں بیان کرتا تھا۔(17)

جن لوگوں نے نظیر اکبر آبادی کی شاعری کے ثقافتی اور سماجی مظاہر کا بغور مطالعہ کیا ہے انہیں اشفاق احمد کی اس رائے سے لازمی اتفاق ہو گا کہ موضوعات کی مماثلت اور زبان و بیان کی بے تکلفی انہیں ایک ہی سلسلے کی کڑیاں قرار دینے کے لیے تائید کی ایک بڑی وجہ بن سکتی ہے۔ آگے چل کر اسی حوالے سے اشفاق احمد لکھتے ہیں:

> "رچنا" زندگی کے ویڈیو البم کا وہ دستاویزی نقش ہے جو ہماری یاد کا ایک حصہ ہے اور ہمارے بعد کے لوگوں کے لیے ایک تاریخی ثبوت ہے لیکن اس کا اسلوب اور تکنیک زمان و مکان کی قیود سے آزاد ہے۔ یہ ایک ایسا آسمان ہے جو پرانا ہونے کے باوجود ہر روز نیا ہی نظر آتا رہے گا۔"(18)

ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا عہدِ حاضر میں اردو ادب کے معروف ترین اساتذہ میں سے ایک اور ثقہ نقاد ہیں۔ اردو دنیا میں ان کی تنقیدی اور تحقیقی آرا کو سند مانا جاتا ہے۔ علی اکبر عباس کی کتاب رچنا کے حوالے سے وہ یوں رقم طراز ہیں:

> علی اکبر عباس کا تیسرا مجموعہ کلام "رچنا" میرے سامنے پڑا ہے. اسے میں نے ایک ہی نشست میں پڑھ ڈالا ہے۔ زندگی میں ایسا اتفاق بہت کم ہوا ہے جب کسی شعری مجموعے نے مجھے اس بات پر مجبور کر ڈالا ہو کہ میں اسے شروع کر کے ختم کیے بغیر نہ رہوں۔ ہماری ادبی تاریخ میں بڑے بڑے شعراء گزرے ہیں۔ جذبے کی گہرائی، فکر کی بلندی، الفاظ کی کو ملتا، آہنگ کی شیرینی کیا کچھ ہے جو اردو ادب کی چھ، سات سو سالہ تاریخ میں موجود نہیں اور اہم شعراء میں سے شاید ہی کوئی ایسا ہو گا جو میری نظر سے نہ گزرا ہو، مگر اس ننھے منے مجموعے

نے اپنی انفرادیت کا جو نقش میرے دل و دماغ پر ثبت کیا ہے اس سے پہلے میں اس کیفیت سے کبھی دوچار نہیں ہوا۔(19)

"رچنا" میں حمد اور نعت کے علاوہ دیگر 31 تخلیقات شامل ہیں جو تمام کی تمام غزل کی ہیئت میں ہیں. اس کتاب کا کمال یہ ہے کہ یہ صوفیا کے ابیات، ہندی کے دوہوں اور اشلوک کا سا بیان رکھتی ہے۔ اشعار کی بحریں، اوزان، قوافی اور ردیف میں ایک لطیف سی نامانوسیت نظر آتی ہے جو اپنے اجنبی پن کے باوجود پڑھنے اور سننے میں بہت بھلی لگتی ہے۔ اس مجموعے میں شامل کچھ تخلیقات شاعر کے اولین مجموعے بر آبِ نیل میں بھی شائع ہو چکی تھیں جو اس کتاب میں مکرر شامل کی گئی ہیں۔ ان تخلیقات کا ایک حسن ان کا کہانی پن ہے جس میں واقعات ایک خاص ترتیب سے آگے بڑھتے ہیں۔

دن چڑھا گلی آباد ہوئی بڑھیوں کی جمی چوپال بھلا
گودوں میں پوتے پوتیوں کی کبھی ناک بہے کبھی رال بھلا
کوئی چرخا ڈا لگڑ کاتے کوئی بالوں کی رسی باٹے
کوئی کھیس کے بمبل باندھے، تو لگ جائے اس کے نال بھلا(20)

یہ کہانی یوں ہی آگے چلتی ہے اور شاعر ایک سیلانی کی طرح مناظر دیکھتا اور بیان کرتا چلا جاتا ہے۔ کتاب کا کوئی بھی صفحہ کہیں سے کھول لیں رچنا دوآب کی ثقافت اور لوک ریت ہر صفحے پر پھیلی نظر آتی ہے۔ وہاں کی زندگی اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ رچنا میں سانس لیتی اور حرکت کرتی نظر آتی ہے۔ ان لفظی تصویروں اور خیال کی نقش آرائیوں میں ایک تسلسل اور اندرونی ربط ملتا ہے۔ چاہے حویلی کے اندر کی زندگی ہو یا مویشیوں کے بھانے کی تصویر، مسجد میں پڑھتے بچوں کی تصویر ہو یا سکول کا منظر سب میں زندگی اپنی تازگی، نئے پن اور فطری بہاؤ کے ساتھ پیش کی گئی ہے۔ اگرچہ زندگی کا اپنا حسن بھی ہے لیکن ایک ناظر اور شاعر کے طور پر علی اکبر عباس نے ان مناظر کو اتنی خوبصورتی سے قلم بند کیا ہے کہ کبھی کبھی تو قاری کے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ دیہاتی زندگی کے ان مناظر میں زیادہ تازگی اور جان ہے یا کہ شاعر کے قلم اور بیان میں۔

قاعدے پڑھتے فجرے، عصرے اور ڈرتے میاؤں میاؤں سے
ننگے پاؤں کچھنی پہنے، گھوم آتے پورے گاؤں سے(21)

ذرا جس کو تاپ بخار ہوا سب اس کی ماں کو آ کہتیں
بہنا بچوں کو منع کرو، مت گزریں بھاری تھاؤں سے(22)

پنجابی اور رچنابی زبان کے الفاظ کے کثرت استعمال سے شاعر نے قوافی اور ردیف کے حوالے سے اضافی فائدہ اٹھایا ہے، جہاں اردو قوافی کے ساتھ ان کی صوتی ہم آہنگی ایک نیا معنوی اور صوتی حسن پیدا کرنے کا موجب بنی ہے۔

آدھی چھٹی سے پہلے ہی یہ بھی تو فیصلہ کرنا ہے
پیسے میں شکر قندی، میوہ یا چنے مرونڈا کھانے ہیں
آدھی چھٹی کے بعد املا لکھنے کو قلم نہیں ہے تو
ماسٹر کے ہاتھ میں چاقو ہے تو اپنے ہاتھ میں کانے ہیں(23)

بظاہر رچنا میں دیہات کی خالص اور تفکرات سے آزاد زندگی کا بیان رچنابی زبان میں ہی ملتا ہے لیکن کہیں کہیں شاعر کا گہرا تفکر بھی ہمیں کارفرما نظر آتا ہے۔

سورج کو جانے کی جلدی اور رات کو چھانے کی جلدی
کہرے کو فصلوں کے اوپر چادر پھیلانے کی جلدی(24)

رچنا کا قاری اس وقت تک اس شعری تخلیق سے پوری طرح لطف اندوز نہیں ہو سکتا جب تک وہ پنجاب کے اس حصے کی دیہاتی زندگی اور یہاں کی مقامی زبان کے بارے میں ابتدائی اور ضروری معلومات نہ رکھتا ہو کیوں کہ "رچنا" کی زبان کے الفاظ اپنے لطف معنی کے ساتھ اپنے بولنے اور سمجھنے والے پر ہی کھلتے ہیں۔ اس لیے اردو کا عام قاری شاید اتنا لطف اور حظ نہ اٹھا سکے جتنا وسطی پنجاب اور بالخصوص رچنا دوآب کا قاری لطف اندوز ہو سکتا ہے۔ مسی روٹی، دانہ پھکا، ادھ رڑکے، گہنے لتے، کیری، لس لس اور اسی قبیل کے دیگر الفاظ سمجھنے کے لیے رچنا کا باسی ہونا یا اس زبان کا شناسا ہونا ضروری ہے۔

علی اکبر عباس نے لوک شاعری کے بیان کے لیے غزل کی ہیئت اختیار کر کے رچنا کی غزل کو یہاں کے مقامی موسموں، پھلوں، پھولوں اور لوک جذبات کا ترجمان بنا لیا ہے۔ ان کی اکثر غزلیں غیر مردف ہیں لیکن قوافی کی رنگارنگی اور تنوع نے انہیں ایک نادر شعری نمونے اور ثقافتی بیانیے کا رنگ عطا کر دیا ہے۔

چیتر کے مسے موسم میں یہ گرمی سردی کی چھلیں
اور جاتے جاڑے کے تحفے ہیں بیر سیو خستہ ہو لیں
یہ گوندنیوں کے نو لکھیے، جامن پہ زمرد کی کنیاں
آموں پر کیری کی آنکھیں کیا بور بھری پلکیں کھولیں(25)

کھیتوں میں گندم نے سوچا بالی کے ہاتھ کروں پیلے
تیار ہوئے گہنے لتے ،چھٹیں ،گاہیئے ،دانتی ،ڈھو لیں(26)

علی اکبر عباس کی رچنا کا ہر صفحہ پنجاب کی سماجی اور ثقافتی زندگی کا عکاس ہے۔ کہیں گرمیوں میں ملنگوں اور فاقہ مستوں کا نہر کے کنارے جہان آباد ہے جہاں وہ سردائی، ستو اور ہندوانے کی کاشوں سے شوق فرماتے ہیں اور کہیں برسات کے موسم میں راگ ملھار اور جل ترنگ کے ساز اور سنتور کی آوازیں کانوں سے ٹکراتی ہیں۔ کہیں دیہی دانش اپنا اظہار کرتی ہے تو کہیں برسوں کا تجربہ پختگی کی زبان بولتا نظر آتا ہے۔

دن چھپتے ہی جلدی جلدی سب نمٹیں روٹی بھاجی سے
کوئی ننگے پاؤں مت نکلے، ڈر کیڑوں اور پتنگوں کا(27)

علی اکبر عباس کی شاعری میں ہجر و وصال کی کیفیات پوری شد و مد کے ساتھ موجود ہیں وہ بھرے سنسار میں ایک انسان کے ساتھ کو خوشی اور مسرت کا حتمی مقصد اور نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ وہ دوستی اور رفاقت کے اس عمل میں مقدار سے زیادہ معیار اور دور کے بجائے قریب کی سنگت کو ترجیح دیتے ہیں۔

آٹے میں نمک کی جھاگ بڑی
ایک رتی سیر تو سانجھی ہو
کبھی جھانک گریباں، دیکھ ذرا
کوئی چار چوفیر تو سانجھی ہو(28)

علی اکبر عباس دیہی معاشرت کا عمیق مشاہدہ رکھتے ہیں۔ انہوں نے بظاہر مرد ہوتے ہوئے بھی نسوانی جذبات بالخصوص دیہی عورتوں کی محسوسات کا باریک بینی سے مشاہدہ کر کے انہیں اتنی ہی نفاست اور پاکیزگی سے بیان بھی کر دیا ہے۔ ایسے ہی ایک منظر میں ماں بیٹی سے یوں مخاطب ہے۔

تیرے پیلے ہوں گے ہات کڑے، تیری پکی ہو گئی بات کڑے
تیرے من ہی من لڈو پھوٹیں اور آنکھوں سے برسات کڑے(29)

سب اپنا آپ بھلا رکھنا ،سائیں سے خوب نبھا رکھنا
مردوں کے سرنانویں پکے، کڑیوں کی کچی ذات کڑے
کہتے ہیں پیدا ہوتے ہی بیٹی پردیسن ہوتی ہے
وہ ایک دیوار ادھر چاہے یا پار سمندر سات کڑے(30)

ماں کا بیٹی کو "کڑے" کہہ کر پکارنا اور بیٹی کا بیک وقت خوشی اور غم کی کیفیات سے دوچار ہونا، مردوں کے معاشرے میں عورتوں کی ذات اور بات کا کچا ہونا اور بیٹی کے پردیسی ہونے کا تصور شاعر کے انتہائی حساس ہونے اور مرد وزن کی تفریق سے آزاد ہو کر خالص انسانی جذبات تک رسائی پانے کی عمدہ مثال ہے۔

علی اکبر عباس کی سادگی میں پرکاری اور ان کی بیگانگی میں باریک بینی اتنی شدت سے در آئی ہے کہ وہ روزمرہ دیہاتی زندگی کی معمولی جزیات کا بیان بھی پورے رچاؤ کے ساتھ کرتے نظر آتے ہیں۔ وہ عورتوں کے صبح سویرے سے رات سونے تک کے معمولات اس طرح بیان کرتے ہیں گویا یہ کسی دیہی عورت کا اپنا بیان ہو۔ اسی طرح ماں کے سامنے بیٹی کے جذبات کا اظہار اور ماں کے حضور بیٹی کی بے بسی کا بیان بھی خاصے کی چیز ہے۔

دیہی زندگی میں اگرچہ باپ کا تصور ایک مرکزے اور نیوکلئیس کا سا ہوتا ہے لیکن ایک سیلانی کی آنکھ سے شاعر نے حویلی کے اندر جھانک کر زندگی کا جو رخ دیکھا ہے اس میں ماں ہی دیہی زندگی کی مالک اور چالک نظر آتی ہے وہ اپنے خاوند، بیٹوں اور بیٹیوں کے لیے ایک قوت متحرکہ اور مقناطیسی آلے کے طور پر کام کرتی ہے۔ وہ اپنے جوان بیٹے کو پڑھائی کے ساتھ ساتھ گھر کے کام کاج میں ہاتھ بٹانے کا اس طرح درس دیتی ہے گویا اسے ان تمام کاموں پر گرفت حاصل ہو اور وہ ان کے پس پردہ حرکی نظام اور اس کے فلسفے سے آگاہ ہو۔

جب جوتا باپ کا بیٹے کے پاؤں میں پورا آتا ہے
تو پھر آگے بڑھ کر بیٹا ماں باپ کا بوجھ بٹاتا ہے
تیرا لکھنا پڑھنا ٹھیک ہے سب گھر کا کوئی کام بھی سر پر لے
کم کاج سے جان سنورتی ہے کچھ ویہل دماغ بھی پاتا ہے (31)

علی اکبر عباس نے اپنی غزل میں رچنا دوآب کے جس گھبرو جوان کا نقشہ کھینچا ہے اس میں اس دھرتی کے سارے اوصاف سمٹ آئے ہیں وہ خوب رو، خوش لباس، تنومند، زور آور، گھڑ سوار، نیزہ باز، کسان، باغبان اور دیگر تمام اوصاف سے متصف ہونے کے باوجود کم گو، شرمیلا مؤدب اور حیادار ہے۔ یہ ایک ایسی تصویر ہے جو نہ صرف پنجاب کی دھرتی بلکہ اس کے بیٹوں کا مان بڑھاتی ہے اور اس کے مصور پر بلاشبہ فخر کیا جا سکتا ہے۔

لکھ لاچا ملتانی باندھے کھسہ شہر خوشاب کا
لاہوری کرتے سے چھن چھن چھلکے رنگ عناب کا

بنی پکڑ گرفت جمائے، تو پھر کون چھڑائے
نہیں قریبی گاؤں میں بھی، کوئی جوڑ جواب کا(32)

رچنا کے انہی صفحات میں ایک ادھیڑ عمر ماں اپنی بڑی بیٹی کی شادی کے بعد بہو لانے کی غرض سے اپنے بیٹے سے ہم کلام نظر آتی ہے۔ وہ اپنی ہونے والی بہو کے ایسے اوصاف بیان کرتی ہے جو دنیا بھر کی حسیناؤں کے حصے میں بھی شاید نہ آئے ہوں۔ ان سب باتوں کو دیکھ کر بیٹے کا دل بھی پسیج جاتا ہے اور وہ رضامندی سے مسکرا دیتا ہے۔ یہ تمام مکالمہ ماں کی محبتوں اور جذبوں کی شدت کا آئینہ دار ہے۔

کم کاج سارے گھر کا وہ سارا اکیلی ہی کرے
بھائیوں کی وہ پیاری بہن، ماں باپ کی ہے لاڈلی
پنج گانہ پڑھتی ہے سدا ہر صبح کو قرآن بھی
ایسی بہو آ جائے گھر تو ہو گی برکت ہی بڑی(33)

بہن بھائیوں کا پیار ایک لازوال اور لافانی جذبہ ہے۔ بہنوں کے لیے بھائی زندگی کا مان ہوتے ہیں۔ وہ چاہے عمر کے جس حصے میں پہنچ جائیں ان کے لیے بچپن کا دور ہی آگے بڑھتا رہتا ہے۔ رچنا کی ایک اور مسلسل غزل میں ایک شادی شدہ بہن اپنے چھوٹے بھائی سے اس طرح مخاطب دکھائی گئی ہے کہ اس کی ساری محبتیں اور زندگی کے سارے تجربات ایک ایک مصرعے سے چھلک رہے ہیں:

میرے بچے مجھ سے پوچھتے ہیں
"کب آئے گا ماماں "ویرا

میں کہوں کہ سال کے سال آئے
ملتا ہے وقت مساں ویرا(34)

تو مجھ سے چھوٹا ہے پھر بھی
مرے لیے ہے باپ سماں، ویرا
ناں سمجھے تو میں کچھ بھی نہیں
اور سمجھے تو ہوں ماں، ویرا(35)

دیہات میں نند بھابیوں کا رشتہ بھی نہایت پیار بھرا اور زبردست ہوتا ہے۔ علی اکبر عباس نے ایک نند کے ان محبت بھرے جذبات کا بیان کیا ہے جو وہ اپنی نئی نویلی بھابی کے لیے رکھتی ہے۔ اکثر اوقات بھابیوں اور ان کی نوعمر نندوں میں جو چھیڑ چھاڑ اور مستی چلتی رہتی ہے شاعر نے بڑی خوبصورتی سے اس کا احاطہ کیا ہے۔

بھائی جی گئے ہیں کمرے میں ،کچھ ڈھونڈ رہے ہیں ادھر ادھر
میں جانوں کسی بہانے سے ،تجھے لیں گے پاس بلا بھابی
کیوں زور سے چٹکی کاٹی ہے میں سب کے سامنے کہہ دوں گی
یہ باتیں سب ہی جانتے ہیں چاہے تو لاکھ چھپا بھابی(36)

وہ کون شخص ہو گا جسے اپنے گھر سے پیار نہیں ہو گا۔ گھر چاہے ایک جھونپڑی پر مشتمل کیوں نہ ہو انسان کے لیے وہ کسی محل سے کم نہیں ہوتا۔ ہر شاعر اور ادیب نے اپنے گھر سے محبت کا اظہار لازماً کیا ہے لیکن جس شدت اور محبت کے والہانہ پن سے علی اکبر عباس نے اپنے گھر کو اپنی شاعری میں پیش کیا ہے ایسا بیانیہ کم ہی شاعروں کو نصیب ہوا ہے۔

گلاب رات ہے اور دن ہے شیر مادر سا
نہیں جہاں میں کوئی اور گھر مرے گھر سا
یہ چار کمرے نہیں ہیں یہ چار موسم ہیں
اور ان میں کھلتا ہر اک در بہشت کے در سا(37)

دیہات کی زندگی میں جہاں کم علمی اور جہالت کے باعث توہمات نے ڈیرے ڈالے ہوتے ہیں ایسے میں مائیں ہر گھڑی اپنے بچوں کو لاشعوری طور پر خوف میں مبتلا رکھتی ہیں لیکن انسان اسی وقت تک ان دیکھے خوف کا شکار رہتا ہے جب تک وہ اپنے ماحول کو چھوڑ نہ دے۔ یہاں خوف سے امن اور نفرت سے محبت کے جنم لینے کی گرہ بھی شاعر نے خوب کھولی ہے۔

کانوں کا سنا گر سچ ہے تو آنکھوں دیکھا بھی جھوٹ نہیں
باتیں ہیں بہت لگاؤ کی حرکات ہیں ساری لاگ بھری(38)

اسی طرح گاؤں کی دکان یا ہٹی جو پورے گاؤں کے لیے رزق کی فراوانی کے ساتھ ساتھ خبروں کی فراہمی کا مرکز بھی ہے۔ شاعر نے اس کیفیت کی نفسیاتی پیچیدگیوں کو پوری شرح کے ساتھ بیان کیا ہے۔ شاعر کے نزدیک ایک جولاہے کی کھڈی اور کارگاہِ حیات ایک ہی آفاقی اصول پر چلتی نظر اتی ہے جہاں حرکت، زندگی اور سکون، موت کا پیامبر ہے۔ جہاں قدیم کو متروک اور جدید کو معروف مانا جاتا ہے۔ جہاں اسی شے کے بھاؤ لگتے ہیں جس کی نمود قریب تر ہو گویا جولاہے کی کھڈی زندگی کی تگ وتاز کا ایک ادنی سا تمثیلچہ ہے۔

حالات کی کنگھی نے ہم کو گھر بار میں ایسے جکڑا ہے
اک بال برابر وتھ نہیں جو کروٹ لیں بدلا بھائیا (39)
میری تانی کا تند ٹوٹے تو میں اس کو جوڑ ہی لیتا ہوں
پر جیون کا تند ایسا ہے جو ٹوٹا تو ٹوٹ گیا بھائیا(40)

نائی کی دکان گاہکوں کے لیے اگرچہ بال ترشوانے اور شیو وخط کروانے کا ایک ذریعہ ہے لیکن نائی اپنی چرب زبانی اور گاؤں کے ہر ایک گھر کے کوائف سے مکمل آگاہی کے باعث دیہاتی زندگی کا شاید سب سے دلچسپ کردار تسلیم کیا گیا ہے۔ وہ اپنی اسی خوبی کی بنا پر لوگوں سے فوائد بھی حاصل کرتا ہے اور گاؤں کے نمبر دار کی ناک کا بال بنا رہتا ہے۔ وہ خبروں کو ایک سے دوسرے اور دوسرے سے آخری دیہاتی تک اتنی صفائی سے پہنچاتا ہے کہ گاؤں کا سارا شریکہ گویا اسی کے دم سے قائم ہے۔ علی اکبر عباس نے اس کی چرب زبانی کا نقشہ کچھ اس طرح کھینچا ہے۔

کچھ پتہ ہے آپ کو چودھری جی شیدے ماچھی کے لچھن کا
پہلی کا کفن میلا نہ ہوا تھا، دوجی بھی کر لایا ہے(41)

کہتے ہیں مصلیوں کے ڈیرے کچی کی بھٹی چلتی تھی
پولیس کے ایک مخبر نے وہاں پرسوں چھاپا مروایا ہے

میری گھر والی تو کہتی تھی بیا پر سچا جوڑا لے گی
اور میں نے کہا کہ چودھری جی نے خالی کب لوٹایا ہے(42)

پنجاب کے دیہاتوں میں عید، شب برات اور رمضان کے موقعوں پر پہلے سے خصوصی اہتمام کیا جاتا ہے بالخصوص جب روزے گرمیوں کے ہوں تو ٹھنڈک بہم پہنچانے اور وقت سے پہلے کام مکمل کرنے کا دھیان بھی دیہاتیوں کو ہر وقت رہتا ہے۔ اسی طرح سحری وافطاری، تراویح، کپڑوں، جوتوں کی خریداری، ختم شریف اور شب قدر جیسے اہم مواقع دیہاتیوں کے لیے عقیدت اور محبت کے اظہار کے خاص سامان لاتے ہیں۔ علی اکبر عباس نے اپنی شاعری میں انہیں بھی بڑی خوبصورتی سے پیش کیا ہے۔

لو چاند چڑھا جی بسم اللہ کل کو پہلا روزہ ہوگا
شکر اس کا ہے جس نے پھر یہ بابرکت دن دکھلائے ہیں
اج پہلی رات ہے مسجد میں رونق ہے عید سے بھی بڑھ کر
پڑھنے کو نماز تراویح کی چھوٹے بچے بھی آئے ہیں (43)
پردیس میں رہنے والے جب تہوار کے دن گھر آ نہ سکیں
چاہے سو چاند چڑھیں لیکن لگتا ہے سب گہنائے ہیں(44)

علی اکبر عباس نے حج اور قربانی کے مواقعوں کو بھی اپنی شاعری میں بیان کیا ہے جہاں دیہات والوں کی نفسیات اور ان کے معمولات کی شاندار عکاسی کی ہے۔ ایسے موقعوں پر مدرسوں کے لیے قربانی کی کھالوں، مولوی صاحب کے لیے چندہ، ہر سال عید کی زائد تکبیروں کے بارے میں تاکید اور ایسے ہی دیگر جزیات کے بیان سے شاعر نے گویا عید قربان کے تہوار کو بیان کر کے ایک پورے سماجی واقعے کو نظم کر دیا ہے۔

ساتوں حصے داروں نے مل گائے کو نیچے ڈھایا ہے
"بسم اللہ اللہ اکبر" کہہ گھنڈی پر چھرا چلایا ہے(45)
"ذرا دھیان سے کھال اتار میاں دیکھیں کدھرے ٹک نہ لگے"

کھالیں یہ امانت قوم کی ہیں ،اخباروں میں بھی آیا ہے(46)

واقعہ کربلا اسلامی تاریخ کا نہایت اہم واقعہ ہے جسے ہر شاعر نے اپنی شاعری میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ علی اکبر عباس نے بھی واقعہ کربلا کے حوالے سے حسب مراتب غم کا بیان کیا ہے۔اس بیانیے میں ان کا انداز سنجیدہ، متین اور غم گساری کا سا ہے۔

کوئی دکان بند، کھلی ،ادھ کھلی کوئی
ان دس دنوں میں کس کو بھلا ہوش کام کا
اس طرح غم سے ماندے ہوئے ہیں تمام لوگ
جیسے یہ واقعہ ہے ابھی کل کی شام کا(47)

پنجاب کے دیہاتوں میں جب کبھی کوئی میلہ لگتا ہے تو دیہات کی ساری زندگی اس سے جڑ جاتی ہے جہاں روز مرہ کی معمولی اشیائے ضروریہ سے لے کر مال مویشی کی منڈی اور گھوڑوں تک کا لین دین ہوتا ہے۔ علی اکبر عباس نے قصبہ شاہ کوٹ میں "بابا نو لکھ ہزاری" کے میلے کا منظر بھی رچنا میں بڑی خوبصورتی سے پیش کیا ہے جہاں نیم حکیم، عطائیوں، تعویذ گنڈے، طوطے والوں اور کرایہ مانگنے والے سفید پوشوں کے چلتے پھرتے کردار پیش کیے ہیں۔

اسی طرح بچوں کے جھولے، کتوں، ریچھوں کی لڑائی نیزا ونٹ، گھوڑے کا ناچ بھی ان کی سیلانی طبع اور پرکار آنکھ کے احاطے میں آکر قاری تک پہنچے ہیں۔

نیزے کی بازی شاہ جیونہ گھڑ دوڑ رجوعہ لے نکلا
بیلوں میں بیل بھوانے کا ،شاہ زور بڑا کہلاتا ہے

کھڑتال، دھمال دھریس، لڈی ، ٹپے جھومر، سمی، بھنگڑا
ہر تال اور بول ان رقصوں کا سب کے من کو رقصاتا ہے
دنگل ،بنی، دوڑیں، چھالیں، تلوار ،کبڈی رسہ کشی
ہر کھیل چھبیل جوانوں کا، ہر آن لہو گرماتا ہے(48)

علی اکبر عباس کے ان سارے غزلیہ واقعات کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ ہر اختتامی شعر میں کوئی نا کوئی فلسفیانہ، صوفیانہ یا اخلاقی درس پیش کیا گیا ہے۔ میلے کی منظر کشی کے بعد اختتامی شعر ملاحظہ کیجیے۔

کہتے ہیں بھرا ہوا میلہ گر چھوڑ چلیں تو اچھا ہے

آخر میں جانے والے کو اجڑا استھان ڈراتا ہے(49)

مجموعی اعتبار سے علی اکبر عباس کی رچنا پنجاب کے لوک رنگ کی ایک ایسی متحرک، جاندار، رنگین اور زندگی سے بھرپور شعری پیش کش ہے جسے بلاشبہ عہد حاضر میں اردو ادب کی ثقافتی، سماجی اور لوک شاعری کا شاہکار قرار دیا جا سکتا ہے۔ اردو غزل کو "نیم وحشی صنف سخن" کہنے والے اور اسے قوافی اور ردیف کی کڑی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ایک مظلوم صنف سخن سمجھنے والے نقادوں نیز اردو غزل کے یکساں اور محدود موضوعات کا دکھڑا سنانے والے نقادوں کے لیے رچنا ایک ایسی پیشکش ہے جو اردو کے اس پاکستانی لہجے کی تکمیل کی طرف ایک قدم ہو گا جس کا خمیر گنگا جمنا کی دھرتی سے نہیں بلکہ پاکستان کی علاقائی زبانوں کی آمیزش سے اٹھے گا اور جو بلاشبہ اردو غزل کا مان اور اس کی شان بڑھاتا رہے گا۔

حوالہ جات

1. باقی، احمد پوری، تبصرہ بر بر آبِ نیل غیر مطبوعہ مضمون، مملوکہ علی اکبر عباس
2. ظفر اقبال، اب تک، کلیات (لاہور: ملٹی میڈیا افیئرز، جلد اول، ۲۰۰۴ء)، ۲۶۲
3. ایضاً، ۳۲۰
4. شیر افضل جعفری، موج موج کوثر (فیصل آباد: قرطاس، ۱۹۸۹ء)، ۶۰
5. ایضاً، ۳۷
6. علی اکبر عباس، مکالمہ از راقم، بمقام رہائش گاہ، بھارا کہو، اسلام آباد، مورخہ ۲۷۔۸۔۲۰۰۹
7. صابر ظفر، سانول موڑ مہاراں (کراچی: سٹی بک پوائنٹ، ۲۰۰۶ء)، ۱۸
8. ایضاً، ۲۱
9. صابر ظفر، زندان میں زندگی امر ہے (فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۰۷ء)، ۵۲
10. انجم رومانی، تبصرہ بر بر آبِ نیل، غیر مطبوعہ مضمون، مملوکہ علی اکبر عباس
11. شیر افضل جعفری، موج موج کوثر (فیصل آباد: قرطاس، ۱۹۸۹ء)، ۱۱۳
12. ایضاً، ۲۵
13. ایضاً، ۶۰
14. ایضاً، ۱۱۵
15. ایضاً، ۱۲۵
16. ایضاً، ۵۹
17. اشفاق احمد، ایک دستاویزی رپورتاژ، مشمولہ: رچنا (لاہور: پاکستان بکس اینڈ لٹریری ساؤنڈ، ۱۹۹۰ء)، ۷
18. ایضاً، ۱۱
19. خواجہ محمد زکریا، تبصرہ بر رچنا (لاہور: پاکستان بکس اینڈ لٹریری ساؤنڈ، ۱۹۹۰ء)، ۱۳
20. علی اکبر عباس، رچنا (لاہور: پاکستان بکس اینڈ لٹریری ساؤنڈ، ۱۹۹۰ء)، ۲۸
21. ایضاً، ۳۲
22. ایضاً، ۳۳
23. ایضاً، ۳۵
24. ایضاً، ۳۸
25. ایضاً، ۴۰
26. ایضاً، ۴۱
27. ایضاً، ۴۵

28. ایضاً، ۴۹
29. ایضاً، ۵۳
30. ایضاً، ۵۴
31. ایضاً، ۶۰
32. ایضاً، ۶۸
33. ایضاً، ۷۵
34. ایضاً، ۸۲
35. ایضاً، ۸۴
36. ایضاً، ۷۹
37. ایضاً، ۸۷
38. ایضاً، ۹۱
39. ایضاً، ۹۶
40. ایضاً، ۹۷
41. ایضاً، ۹۸
42. ایضاً، ۹۹
43. ایضاً، ۱۰۲
44. ایضاً، ۱۰۶
45. ایضاً، ۱۱۱
46. ایضاً، ۱۱۲
47. ایضاً، ۱۱۷
48. ایضاً، ۱۲۱
49. ایضاً، ۱۲۳

1. Baqi, Ahmad Puri, *Review of "Bar Aab-e-Neel"*, unpublished article, property of Ali Akbar Abbas.
2. Zafar Iqbal, *Ab Tak*, Collected Works (Lahore: Multimedia Affairs, Volume One, 2004), p. 262.
3. Ibid, p. 320.
4. Sher Afzal Jafri, *Mauj Mauj-e-Kausar* (Faisalabad: Qirtas, 1989), p. 60.
5. Ibid, p. 73.

6. Ali Akbar Abbas, Conversation with the author, at residence, Bhara Kahu, Islamabad, dated 27-08-2009.
7. Sabir Zafar, *Sanwal Mor Maharan* (Karachi: City Book Point, 2006), p. 18.
8. Ibid, p. 21.
9. Sabir Zafar, *Zindan Mein Zindagi Amar Hai* (Faisalabad: Misaal Publishers, 2007), p. 52.
10. Anjum Romani, *Review of "Bar Aab-e-Neel"*, unpublished article, property of Ali Akbar Abbas.
11. Sher Afzal Jafri, *Mauj Mauj-e-Kausar* (Faisalabad: Qirtas, 1989), p. 113.
12. Ibid, p. 25.
13. Ibid, p. 60.
14. Ibid, p. 115.
15. Ibid, p. 125.
16. Ibid, p. 59.
17. Ashfaq Ahmad, *A Documentary Reportage*, included in: *Rachna* (Lahore: Pakistan Books and Literary Sound, 1990), p. 7.
18. Ibid, p. 11.
19. Khwaja Muhammad Zakariya, *Review of "Rachna"* (Lahore: Pakistan Books and Literary Sound, 1990), p. 13.
20. Ali Akbar Abbas, *Rachna* (Lahore: Pakistan Books and Literary Sound, 1990), p. 28.
21. Ibid, p. 32.
22. Ibid, p. 33.
23. Ibid, p. 35.
24. Ibid, p. 38.
25. Ibid, p. 40.
26. Ibid, p. 41.
27. Ibid, p. 45.
28. Ibid, p. 49.
29. Ibid, p. 53.
30. Ibid, p. 54.
31. Ibid, p. 60.
32. Ibid, p. 68.
33. Ibid, p. 75.
34. Ibid, p. 82.
35. Ibid, p. 84.
36. Ibid, p. 79.
37. Ibid, p. 87.
38. Ibid, p. 91.

39. Ibid, p. 96.
40. Ibid, p. 97.
41. Ibid, p. 98.
42. Ibid, p. 99.
43. Ibid, p. 102.
44. Ibid, p. 106.
45. Ibid, p. 111.
46. Ibid, p. 112.
47. Ibid, p. 117.
48. Ibid, p. 121.
49. Ibid, p. 123.

کتابیات

مطبوعہ

- شیر افضل جعفری، موج موج کوثر (فیصل آباد: قرطاس، ۱۹۸۹ء)
- صابر ظفر، زندان میں زندگی امر ہے (فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۰۷ء)
- صابر ظفر، سانول موڑ مہاراں (کراچی: سٹی بک پوائنٹ، ۲۰۰۶ء)
- ظفر اقبال، اب تک، کلیات (لاہور: ملٹی میڈیا افیئرز، جلد اول، ۲۰۰۴ء)
- علی اکبر عباس، رچنا (لاہور: پاکستان بکس اینڈ لٹریری ساؤنڈ، ۱۹۹۰ء)

غیر مطبوعہ

۱۔ انجم رومانی، (تبصرہ)، غیر مطبوعہ مضمون، مملوکہ علی اکبر عباس

۲۔ باقی، احمد پوری، (تبصرہ)، غیر مطبوعہ مضمون، مملوکہ علی اکبر عباس

مکالمہ

۱۔ علی اکبر عباس، مکالمہ از راقم، بمقام رہائش گاہ، بھارا کہو، اسلام آباد